© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وتکوین کا یہ سلسلہ ازل سے تا ابد یوں ہی قائم رہے گا۔ ان کو زنادقہ کے نام سے پکارنا چاہیئے۔

(۲) طبیعیین: یہ اس گروہ سے تعبیر ہے جنہوں نے عالم طبیعت پر غور وفکر کو مرکوز کیا اور حیوانات ونباتات میں عجائب وغرائب کی جو ایک دنیا پنہاں ہے اس کی نقاب کشائی کی۔ اسی طرح انہوں نے تشریح الاعضاء کو اپنا موضوع فکر ٹھہرایا جس سے انہیں اندازہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں کس طرح حکمت وصنعت کی باریکیوں کو کھپا رکھا ہے۔ اس غور وفکر نے ان کو مجبور کیا کہ وہ ایسے خالق وفاطر خدا کو تسلیم کریں جو ہر شے کی غرض وغایت اور ابتدا وانتہا سے اچھی طرح آگاہ اور جو کوئی بھی علم تشریح الاعضا کا مطالعہ کرے گا اور منافع الاعضا کے عجائبات پر نظر ڈالے گا وہ ضرورتاً اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ جس ذات نے بھی حیوانی ڈھانچہ کو ترتیب دیا ہے وہ تدبیر وحکمت کے کمالات سے بہرہ مند ہے۔

اس طریق فکر سے یہ خدا تک رسائی حاصل کرنے میں تو کامیاب ہو گئے ہیں لیکن چونکہ ان کے غور وخوض کا دائرہ صرف جسم وترکیب کے لوازم تک محدود رہا اس لیے یہ روح کی حقیقت سے بے گانہ رہے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ جس کی ترکیب وساخت کو انسانی مزاج کی ترکیب وساخت میں بڑا دخل ہے اور چونکہ یہ مزاج عقل اس جسمانی مزاج کے تابع ہے اس لیے جب یہ کارخانہ درہم برہم ہوگا تو اس کے ساتھ ساتھ مزاج وروح کا رشتہ بھی قائم نہیں رہ سکے گا۔ اس طرح انہوں نے آخرت کا انکار کیا اور اس سے متعلقہ حشر ونشر اور ثواب وعذاب کی جملہ کیفیتوں کو محال جانا، جس کا انجام یہ ہوا کہ اخلاق کی تمام قدریں ان کے نزدیک باطل قرار پائیں۔ یعنی ان کے ہاں نہ اطاعت موجب ثواب رہی اور نہ معصیت ونافرمانی باعث عذاب۔

اس جماعت کو بھی زنادقہ ہی میں شمار کرنا چاہیئے کیونکہ ایمانیات میں جس طرح ایمان باللہ داخل ہے۔ اسی طور پر ایمان بالآخرۃ بھی داخل ہے نہ اس سے انکار ممکن اور نہ اس کے ابطال کی کوئی گنجائش!

(۳) الٰہیین: یہ متاخرین حکما کا گروہ ہے، جیسے سقراط۔ یہ افلاطون کا استاذ ہے اور افلاطون، ارسطاطالیس کا استاد ہے۔ یہی ارسطاطالیس ہے جس نے منطق کی داغ بیل ڈالی۔ علوم وفنون کی زلف پریشان کو سنوارا اور ایسے ایسے معارف کو زیب قرطاس کیا، جو اب تک ضبط تحریر میں نہیں آئے تھے۔ نیز ان علوم کی تکمیل کی، جو اب تک خام چلے آرہے تھے اور ان کو گوارا اور استوار شکل میں پیش کیا۔

فلاسفہ الٰہیین نے سابق الذکر دونوں گروہوں کو آڑے ہاتھوں لیا اور اس انداز سے ان کی برائیوں کو بیان کیا کہ دوسروں کو اس باب میں اب زحمت اٹھانے کی قطعاً ضرورت نہیں رہی۔ گویا

و کفی اللہ المؤمنین القتال اللہ تعالیٰ نے مومنین کو جنگ کی زحمت سے بچالیا۔

بالخصوص ارسطاطالیس نے تو افلاطون اور سقراط کی وہ خبر لی کہ کوئی دوسرا کب اس کی جرأت کر سکتا تھا۔ مگر بایں ہمہ اس کی تعلیمات میں بھی کفر والحاد کے اثرات باقی رہ گئے جن سے یہ دست بردار نہ ہو سکا۔ اس لیے ان کی اور خود مسلمانوں میں، ان کے لگے بندھوں کی تکفیر واجب ہوئی جیسے ابن سینا اور فارابی کہ یہ بھی وہی رائے رکھتے ہیں۔ ہاں یہ البتہ ماننا پڑے گا کہ جس کامیابی اور دیانت سے ان لوگوں نے ارسطو کے علوم کی ترجمانی کی ہے اس کی مثال نہیں ملتی اور ان کے سوا جن لوگوں نے بھی اس کام کو ہاتھ میں لیا وہ ان کی طرح اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکے چنانچہ ان کے ترجموں میں آپ جا بجا دیکھیے گا کہ خاصی تحریف، گڑبڑ اور الجھاؤ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی لکھی ہوئی عبارتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔ اور جب یہ حال ہے تو محض اس کے بل بوتے پر ان کی تردید کیونکر ممکن ہے۔ اسی طرح یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ان کو جوں کا توں قبول ہی کر لیا جائے۔ بہر حال ان دونوں کی وساطت سے جو فلسفیانہ افکار ہم تک پہنچے ہیں ان کو تین قسموں میں منقسم کیا جا سکتا ہے:

(۱) وہ قسم جس پر تکفیر واجب ہو جاتی ہے (۲) وہ قسم جسے بدعت سے تعبیر کرنا چاہیے (۳) خیالات وافکار کا وہ حصہ

میرا مقصد تو صرف یہ ہے کہ اپنے واردات وتاثرات بیان کروں نہ یہ کہ ان لوگوں کا انکار کروں جن کو اس انداز سے اطمینان وایمان کی دولت ملی ہے اس لیے کہ دوائیں اختلاف امراض سے بدلتی رہتی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس کا انکار ضروری نہیں۔

اب اس کی تفصیل سنیے:

ہمارے اس نصب العین کے لحاظ سے جس کی ہم تلاش میں ہے، ان لوگوں کے علوم وفنون کی تقسیم یوں ہوگی۔ ریاضیات، منطق ،طبیعیات ،الٰہیات ،سیاسیات اور علم الاخلاق۔

(ا) ریاضیات: اس علم کا تعلق صرف حساب وہندسہ یا ہیئت وفلکیات سے ہے۔ دینیات سے بہر کیف اس کو نفیاً یا اثباتاً کوئی سروکار نہیں۔ ان کے متعلق یہ کہنا چاہیے کہ یہ سراسر امور برہانیہ سے لگاؤ رکھتے ہیں۔ اور جو کوئی بھی انہیں اچھی طرح جانتا ہے ان کی قدر وقیمت اور افادیت کا انکار نہیں کر سکتا لیکن ان کے ذریعے بھی دو طرح کی آفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

آفت اوّل: یہ کہ جو کوئی بھی ان علوم کا مطالعہ کرتا ہے وہ ان کے دقائق سے متاثر ہوتا ہے اور یہ دیکھ کر کہ ان میں جن دلائل کو پیش کیا گیا ہے وہ کس درجہ واضح اور مستحکم ہیں، متعجب ہوتا ہے۔ پھر معاملہ اگر صرف تحسین واستعجاب تک محدود رہتا تو اس میں کوئی مضائقہ نہ تھا۔ اصل مصیبت یہ ہے کہ یہ اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے کہ ان کے تمام علوم وافکار دلائل کی محکمی ووضوح کے

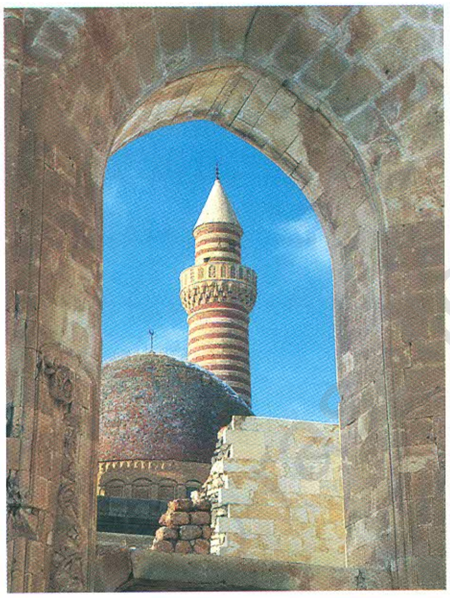

اعتبار سے ایسے ہی پختہ، اور ناقابل تردید ہیں۔ اور اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب یہ ان کے کافرانہ اور گمراہ کن اقوال کو دوسروں سے سنتا ہے اور شریعت پر ان کے استہزا کو ملاحظہ کرتا ہے تو اس پر سر دھنتا ہے بلکہ بسا اوقات خود بھی از راہ تقلید ان کے کفر میں ان کا ہم نوا ہو جاتا ہے۔ یہ استدلال کی کڑیاں کچھ اس طرح ملاتا ہے کہ اگر دین ومذہب کے افکار مبنی برحق ہوتے تو ایسے ایسے حکما کی نظروں سے کیسے اوجھل رہتے، جنہوں نے کہ تحقیق وتدقیق کی یوں داد دی ہے۔ پھر جب اپنے کانوں سے کفر والحاد کی باتیں سنتا ہے تو پکار اٹھتا ہے کہ برسرِ حق دین ومذہب کے افکار وعقائد نہیں، ان کا انکار وتردید ہے۔ چنانچہ کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو اس انداز استدلال سے حق وصداقت سے محروم ہو گئے۔ اور ان کے پاس اس گمراہی یا اس حسن ظن کے سوا اور کوئی دلیل موجود نہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ ان سے ہزار کہا جائے کہ اگر کوئی شخص ایک علم میں یدطولیٰ رکھتا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے تمام فنون میں بھی اس کا پایہ بلند ہے۔ تو اس سے ان کی تسکین نہیں ہو پاتی اور از راہ تقلید جو مان لیا ہے اس میں کوئی تغیر رونما نہیں ہوتا، بلکہ نفسانیت اور بڑھتی ہے اور وہ مصر ہوتے ہیں کہ ان لوگوں کے حسن ظن رکھنے میں وہ حق بجانب ہیں۔ حالانکہ یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جو فقہ وکلام میں مہارت رکھتا ہو یہ قطعاً ضروری نہیں کہ وہ اچھا طبیب ومعالج بھی ہو۔ اسی طرح اس میں بھی کوئی منطقی تلازم نہیں کہ جو عقلیات سے ناواقف ہو وہ بہر حال نحو سے بھی نابلد ہو۔ یہاں صورت حال بالکل مختلف ہے۔ اور حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ ہر ہر فن کے ماہرین اور ہر ہر علم کے شاہسواروں کا حلقہ الگ الگ ہے۔ لہٰذا یہ عین ممکن ہے کہ اگر ایک علم کے دائرے میں کسی گروہ یا شخص کی عظمت کا چرچا ہے تو علم وفن کے دوسرے دائروں میں اس کے جہل ونادانی کی شہرت ہو۔ دور کیوں جایئے انہی حکما کو لیجیے، جہاں ریاضیات میں ان کے استدلالوں کی عمارت دلیل وبرہان کی استواریوں پر مبنی ہے وہاں الٰہیات میں یہ محض تخمین واندازہ کے بل بوتے پر چلتے ہیں۔ مگر اس فرق کا علم عوام کو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس کو تو کچھ وہی لوگ جانتے ہیں جنہوں نے ان علوم میں گہرے غور وفکر سے کام لیا ہے اور ان کی جزئیات وفروع کا تجربہ کیا ہے۔

یہ ہے وہ آفت عظیمہ جس سے ریاضیات کے طالب علم دوچار ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس فن کا امور دین سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہو سکتا لیکن ابتدا میں چونکہ ایک طالب علم کو اس وادی سے گزرنا پڑتا ہے اس لیے اس کے مہلکات سے اس کو بچانا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضروری ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو ان علوم میں پڑیں اور دین وتقویٰ کے تقاضوں کو مجروح نہ کریں۔

آفت ثانی: ایک مصیبت وہ ہے جس کا سبب اسلام کے نادان دوست ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی عقائد وافکار کی تائید ونصرت کے لیے ضروری ہے کہ ان لوگوں کے تمام علوم ومعارف کا انکار کیا جائے۔ اور یہ نہ تسلیم کیا جائے کہ ان کے دامن علم میں کوئی سچائی پائی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ امور جن کا تعلق ٹھیک ٹھیک حساب وریاضی سے ہے جیسے کسوف وخسوف کی تعیین وغیرہ تو اس کو بھی جھٹلایا اور خلاف شرع قرار دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب عوام کو معلوم ہوا کہ اس باب میں حکما کا قیاس محکم اور مضبوط دلائل پر مبنی ہے تو انہوں نے اس میں تو کسی شک وشبہ کا اظہار نہ کیا، البتہ یہ ضرور جان لیا کہ اسلام کی بنیاد ہی جہل پر ہے۔ اور ایمانیات کا سارا کارخانہ ہی دلیل وبرہان کی تکذیب پر قائم ہے۔ اس طرح فلسفہ اور امور عقلیہ سے ان کا شغف بڑھا اور اسلام کی عداوت وبغض کا جذبہ دل میں بری طرح جم گیا۔ یہ طرز عمل اور یہ انداز فکر اختیار کرکے اسلام کے ان نادان دوستوں نے حقیقت یہ ہے کہ بہت بڑا ظلم ڈھایا ہے۔ کیونکہ جہاں تک اسلامی تعلیمات کا تعلق ہے نفیاً یا اثباتاً اس میں بالکل ان علوم وفنون سے تعرض نہیں کیا گیا اور آنحضرت ﷺ نے یہ جو فرمایا ہے:

ان الشمس والقمر آیتان من	کہ سورج اور چاند اللہ کے
آیات اللہ لا یخسفان لموت	نشانوں میں سے دو نشان ہیں،
احد ولا لحیاته	ان کا کسوف وخسوف کسی کی
	موت زندگی سے وابستہ نہیں۔

تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ہرگز صحیح صحیح حساب وریاضی کے مقتضیات کو جھٹلانے والا نہیں۔ کسوف وخسوف کی ایک توجیہ احادیث میں یوں بھی آئی ہے:

لکن اللہ اذا تجلی لشیء خضع له	اللہ جب کسی کو اپنا روئے زیبا
	دکھاتا ہے تو وہ چیز اس کے
	سامنے جھک جاتی ہے۔

مگر اس توجیہ سے متعلق یہ جان لینا کافی ہے کہ کتب صحاح میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔

منطقیات

اس فن پر غور کیجیے تو اس میں بھی کوئی بات دینی تقاضوں سے متصادم نہیں معلوم ہوتی بلکہ اس کا علم دین سے براہ راست نفیاً یا اثباتاً کوئی تعلق ہی نہیں۔ کیونکہ اس میں تو صرف اس سے بحث ہوتی ہے کہ دلائل کیا ہیں، ان کی جانچ پرکھ کے کیا کیا پیمانے ہیں، برہان کسے کہتے ہیں؟ اس کے شرائط مقدمات کی نوعیت کیا ہے۔ تعریف کس کو کہتے ہیں، اور کیونکر اس کو ترتیب دیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں یہ بتایا جاتا ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں: تصور یا تصدیق۔ تصور کو تعریف وحد کے ذریعہ معلوم کیا جاتا ہے۔ اور تصدیق کی پہچان برہان ودلیل سے ہو پاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کو دین کے منافی قرار دیا جائے بلکہ یہ تو بعینہ وہی باتیں ہیں جن کا متکلمین اور اصحاب بحث ونظر کے ہاں اکثر چرچا رہتا ہے۔ ہاں تھوڑا سا فرق البتہ ان میں اور منطقیوں میں ضرور ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ انہیں مطالب کے لیے اپنی مخصوص اصطلاحیں استعمال کرتے ہیں اور تعریفات اور ان کی جزئیات میں زیادہ الجھتے ہیں جبکہ متکلمین زیادہ تعمقات سے کام نہیں لیتے۔ منطق کیا ہے اس کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل مثال پر غور کیجیے:

جب یہ ثابت ہو گیا کہ ہر انسان حیوان ہے تو اس سے لازم آیا کہ بعض حیوان انسان ہوتے ہیں۔ اس کو یہ اپنے پیرایۂ بیان اور

علم کی دو قسمیں ہیں: تصور یا تصدیق۔ تصور کو تعریف وحد کے ذریعہ معلوم کیا جاتا ہے۔ اور تصدیق کی پہچان برہان ودلیل سے ہوپاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کو دین کے منافی قرار دیا جائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصطلاح میں یوں کہیں گے کہ موجبہ کلیہ کا عکس ہمیشہ موجبہ جزئیہ ہوتا ہے۔ اس اصطلاحی انکشاف سے دین کہاں مجروح ہوتا ہے؟ اور اس کا دین کے اہم مسائل سے کیا تعلق ہے؟ اس لیے اس کا انکار کیا جائے تو کیوں؟ اور اس کو نہ مانا جائے تو کس دلیل کی بنا پر؟ اور اگر کوئی مسلمان اس کو تسلیم نہیں کرے گا، تو اس سے اہل منطق یہی اثر نہیں لیں گے کہ یہ شخص عقل و فکر کی صلاحیتوں سے تہی ہے بلکہ ان میں اس کے اس دینی تصور کے بارہ میں بھی سوءظن پیدا ہوگا جو اس طرح کے انکار پر قائم ہے۔

یہاں اس کی افادیت کے باوجود یہ ماننا ہی پڑے گا کہ اہل منطق نے اس فن میں خاصی گڑبڑ مچا رکھی ہے۔ اور وہ یوں کہ جب دلیل و برہان کی محکمی و استواری بیان کرنا چاہی تو اس کے لیے تو ایسی کڑی شرطیں ٹھہرائیں جن سے یہ قطعیت و یقین کے درجہ تک پہنچ جائے۔ لیکن جب الٰہیات پر گفتگو کا موقع آیا تو ان شرائط کا حق ادا نہ کیا بلکہ انتہا درجے کے تساہل سے کام لیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس نے ان کی معقولیت کو دلائل و براہین کی بحثوں میں آزمایا تھا اس نے از راہ سادگی یہ سمجھ لیا کہ ان کفریات سے متعلق بھی جو ان کی کتابوں میں موجود ہیں ان کی چھان بین اور تحقیق و تفحص کا وہی معیار ہوگا حالانکہ واقعہ یہ نہیں۔ لہٰذا اس سے پہلے کہ یہ الٰہیات کی از خود معرفت پیدا کرتا، ان کے کفریات کے سامنے اس نے اپنا سر جھکا دیا۔ یہ ہے وہ آفت جو منطقیات میں بھی پائی جاتی ہے۔

اسلام اور اصول حرکت

انفس و آفاق کا علم بڑی تیزی سے روبہ ترقی ہے، علمی، اخلاقی اور معاشی زندگی نئے سانچوں میں ڈھل رہی ہے۔ ایسی صورت میں مذہبی راہنمائی صرف ایسے لوگوں کا حق ہوسکتا ہے جو دین کی اساس اور اس کی ابدی حکمتوں سے آشنا ہوں اور گرد و پیش کی زندگی کا صحیح جائزہ لے سکیں۔ دین کی بنیاد حکمت بالغہ پر قائم ہے مذہبی احکام و شعائر کی بناء بھی حکمت ہی ہوتی ہے، حکمت اسے کہتے ہیں جو کسی حکم کی علت غائی ہو، علت غائی ایک دائمی حقیقت ہوتی ہے جس کے ماتحت احکام میں رد و بدل ہوتا رہتا ہے۔ زندگی کے دونوں رخوں میں خواہ وہ طبعی و جسمانی زندگی ہو خواہ نفسی یا روحانی زندگی۔ زندگی کا ایک پہلو ثبات ہے اور دوسرا تغیر پیہم۔ حکمت کا وظیفہ یہ ہے کہ تغیرات میں ثبات کے پہلو تلاش کرے۔ انہیں حقائق ثابتہ کو قرآن کریم نے دین قرار دیا ہے۔

(مقالات حکیم، جلد سوم......خلیفہ عبدالحکیم)

© rasailojaraid.com